بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

ابھی پچھلے دنوں میرٹھ میں جمعیۃ علماء کے ایک جلسہ میں شیخ محمد عبداللہ کی تقریر کے موقع پر جو عظیم فساد ہوا اور جس کا سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا اسے ہماری قوم و ملک کے چہرہ پر جو سخت بد نما داغ ہیں اُن میں ایک مزید داغ کا اضافہ اور ملک کی بدنصیبی ہی کہا جاسکتا ہے۔ محب الوطنی یا قومی حسن شعور ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ جلسہ اُس جماعت کی طرف سے تھا جو جنگ آزادی میں علمی نسبت کے اعتبار سے کانگریس سے بھی پیش پیش اور اس سے زیادہ مخلص اور بے لوث رہی ہے اور آزادی کے بعد بھی اس ملک میں سیکولرزم اور جمہوریت کو پائدار بنانے میں اس جماعت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور جن کی وجہ سے یہ خود دینوں کی بھی ہدف ملامت بنی رہی ہے وہ کسی نے انجام نہیں دیئے۔ پھر شیخ محمد عبداللہ کا حریت پسندی اور بے غرض خدمت ملک و قوم کے معاملہ میں جوانی کے زمانہ سے لے کر اب تک جو عظیم کردار رہا ہے اُس پر اُن نوزائیدہ زعمائے قوم کی ہزار کوششوں کے باوجود جو ملک کی آزادی کے بعد سب سے بڑے محب وطن اور قوم پرور ہونے کے مدعی بنے پھرتے ہیں خاک نہیں ڈالی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک شیخ کو چودہ برس قید و بند میں رکھا گیا۔ بڑے کر و فر اور اہتمام کے ساتھ اُن پر مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ دنیا کو معلوم ہے۔ شیخ کے عظیم قومی کردار اور بے داغ سیرت سے قطع نظر دیکھنا یہ ہے کہ شیخ مسلسل کہتے کیا رہے ہیں؟ کیا انھوں نے ہندوستان کے خلاف بغاوت کی دعوت دی ہے؟ کیا وہ مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے وفادار نہ رہیں؟ کیا اُن کا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کو پاکستان کا جز بنا دیا جائے؟ ہرگز نہیں! شیخ جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ (۱) کشمیر کا معاملہ ابھی طے شدہ نہیں ہے اسے طے ہونا چاہیئے اور (۲) اس معاملہ کو اس طرح طے ہونا چاہیئے کہ ایک طرف اہل کشمیر مطمئن ہوں اور دوسری جانب ہندوستان اور پاکستان کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہوں اور دونوں ملکوں میں دوستی اور محبت کی فضا پیدا ہو۔ کوئی بتلائے کہ ان دونوں میں سے کون سی بات غلط اور ہندوستان کے ساتھ دشمنی تو کجا بدخواہی کے بھی مرادف ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں پاکستان کی

طرح ہندوستان کی بھی سالمیت، امن و آشتی اور ترقی کے لئے شرط اول کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہر وہ شخص جو بین الاقوامی سیاسیات کے آسمان پر گوناگوں تغیرات و انقلابات کے آثار دیکھ رہا ہے اسے ان دونوں باتوں کے تسلیم کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ کشمیر کی بات چیت شیخ اور گورنمنٹ آف انڈیا میں ضرور ہونی چاہئے لیکن شیخ اس گفتگو میں پاکستان کی شرکت پر جو اصرار کر رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اور جیسا کہ مسٹر پریم بھاٹیا نے اسٹیٹسمین مورخہ ۳۱ جنوری و یکم فروری میں لکھا بھی ہے۔ اگر کشمیر کے مسئلہ پر گفتگو کرنے میں پاکستان کی شرکت [illegible] میں پسندیدہ تھی بھی تو اب ۱۹۶۵ء کی معرکہ آرائی کے بعد مناسب نہیں ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ رائے حقیقت شناسی پر مبنی نہیں ہے۔ کیوں کہ در اصل کشمیر ہی وہ بس کی گانٹھ ہے جس کے باعث ہندوستان اور پاکستان میں نہ صرف مخالفت بلکہ شدید ترین دشمنی اور عناد کی فضا قائم ہے اسی بنا پر اگر دونوں ملکوں میں دوستی اور مصالحت کا رابطہ پیدا کرنا ہے تو ضروری ہے کہ قضیۂ کشمیر کا حل اور فیصلہ پاکستان کو شریکِ گفتگو کر کے کیا جائے ورنہ حال وہی ہوگا کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" اور مقصد مرض کا ختم کرنا ہے نہ کہ اسے اور بڑھانا۔ علاوہ بریں معاملہ صرف جموں اور سرینگر کا نہیں ہے بلکہ پورے کشمیر کا ہے اور اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ یہ خطہ جنت نظیر دو حصوں میں بٹا ہوا ہے ایک حصہ ہندوستان کے زیر نگیں ہے اور دوسرے حصہ پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا ہے اور جنگ بندی کے خط فاصل پر اقوام متحدہ کے نگران بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور یہ صورتِ حال ایسی ہے جسے کوئی بھی کشمیری جسے اپنے وطن سے محبت ہے گوارا نہیں کر سکتا۔ اس بنا پر شیخ جب کشمیر کا نام لیتے ہیں تو اس سے ان کی مراد صرف جموں اور سرینگر کا علاقہ نہیں ہوتا بلکہ کشمیر کی پوری غیر منقسم ریاست ہوتی ہے لہٰذا ظاہر ہے پوری ریاست کا معاملہ پاکستان کو شریکِ گفتگو کئے بغیر ہرگز طے نہیں ہو سکتا۔

بہرحال یہ ہے پس منظر اُس جلسہ کا جو ۲۰ جنوری کو میرٹھ کے فیض عام انٹر کالج کے میدان میں ہو رہا تھا اب بھارت کے ان "پوتر سپوتوں" سے کوئی پوچھے کہ اس جلسہ میں کون سی چیز ملک کے مفاد کے خلاف تھی جس کے خلاف تم نے مظاہرہ کیا اور جس کے نتیجہ میں کتنے بے گناہ آدمی جان سے گئے اور کتنے زخمی ہو گئے۔ تم نے اپنے فرنٹ کا نام "کشمیر کو بچاؤ" رکھا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کشمیر کو بچانے کی صورت کیا ہے؟ کشمیر کیا موجودہ صورتِ حال میں بچ سکے گا جب کہ وہ دو حصے